Fan-e-masnavi nigari aur Irteqa

B.A Urdu (H)

تکنیک کے اعتبار سے تمام اصناف سخن سے زیادہ آزادی مثنوی میں ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں نہ قصیدہ کی طرح ابیات کی تعداد محدود ہوتی ہے، نہ غزل کی طرح ردیف وقوافی کی قید۔ اس لیے بیانیہ شاعروں کی تمام وسعتیں اس میں موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مناظر قدرت، فلسفہ وتصوف کے طویل مباحث، حسن وعشق کے فسانے، رزم وبزم کی داستانیں، اس صنف سخن میں بخوبی ہوجاتی ہیں۔ اور واقعہ نگاری کے لیے تو مشرق کی شاعری میں اس سے بہتر کوئی اسلوب ہے ہی نہیں۔

مثنوی نظم کا فن ہے لیکن چونکہ اس میں داستانوں کو نظم کیا جاتا ہے۔ اس لیے اس میں نظم کی خارجی تکنیک اور قصہ کے داخلی تکنیک دونوں کا لحاظ رکھنا ہوتا ہے۔ اچھی مثنوی کے لیے تسلسل کا ہونا لازمی ہے۔ اور اس میں ارتقاء لَو سبک ہونا چاہیے تاکہ ابتداء، وسط اور عروج کا احساس ہو، اس میں پلاٹ، کردار، پس منظر، ماحول اور فضا نگاری کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ بیان کے لحاظ سے مثنوی کا فن ترجیحی ہے، اس لیے زبان صاف اور رواں ہونی چاہیے۔

ڈاکٹر فرمان فتحپوری نے اس صنف سخن کے لیے بہ اعتبار موضوع بحریں مخصوص کی ہیں:

(۱) متقارب مثمن مقصود یا محذوف یعنی فعولن، فعولن، فعول یا فعل۔ فردوی کا شاہنامہ، قطامی کا سکندرنامہ، سراج کی بوستان خیال اور میر حسن کی مثنوی اسی بحر میں ہے۔

(۲) ہزج مسدس مقصد و یا ہزج مسدس اخرب مقبوض۔ یعنی مفاعیلن، مفاعیلن، مفاعیل۔ اس بحر میں نظامی کی شیریں خسرو، جامی کی یوسف زلیخا اور فیض کی نل

ومن وغیرہ ہیں۔

(۳) بحر رمل مسدس مقصود یا محذوف، یعنی فاعلاتن، فاعلاتن یا فاعلات۔ مولانا روم کی مثنوی معنوی، میر حسن کی رموز العارفین۔ اقبال کی اسرار خودی اور رموز بےخودی وغیرہ اسی بحر میں ہیں۔

(۴) بحر خفیف مسدس مجنون یا مقصود یعنی فاعلاتن، مفاعلن، فعلن یا فعلات جس میں حدیقہ سناتی۔ جامی کی سلسلہ الذہب اور آفتاب الدولہ قلق کی طلسم الفت وغیرہ ہیں۔

(۵) بحر ہزج مسدس اخرب محذوف یعنی مفعول، مفاعلن، فعلون، اس میں گلزار نسیم اور ترانۂ شوق وغیرہ ہیں۔

(۷) بحر متقارب مثمن اثر مقبوض یعنی فاع فعولن فعلن فاع یا فعلن فعلن فعلن فاع ڈاکٹر فرمان فتحپوری نے یہ بھی کہا ہے کہ میر حسن نے سحر البیان میں جو بحر استعمال کی ہے وہ غلط ہے۔

اردو زبان کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیا کرام کا بڑا حصہ ہے۔ انہوں نے اردو میں شعر وشاعری کا چرچا شروع کیا اور یہ بھی مثنوی سے کیونکہ اصلاح وتبلیغ اور وعظ ونصیحت کے لیے یہ مناسب صنف ہے۔ یہ مثنوی کا فن ہی ہے جو برعکس غزل کے شاعر کو اظہار خیال کی وسعتیں فراہم کرتی ہیں۔ غزل کے برعکس مثنوی نے واقعات کے تسلسل اور ترتیب سے اظہار بیان کو ممکن بنا دیا۔ ابتدائی صوفی شاعروں میں شاہ میراں جی ہیں جنہوں نے شہادت الحق، نام کی مثنوی لکھی جو اسلوب بیان اور زبان کے اعتبار سے تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔ نصرتی نے ایک طویل مثنوی موسوم بہ علی نامہ، اور دوسری ''گلشن عشق'' لکھی تو بحری نے مثنوی ''من لگن'' تحریر کیا۔ یہ مثنویاں فن کے لحاظ سے تو نہیں لیکن تاریخ کی حد تک اہمیت کی حامل ہیں۔ رام بابو سکسینہ نے سید میر ہاشمی نام کے ایک دکنی شاعر کا ذکر کرتے ہوئے ''یوسف زلیخا'' نامی ایک مثنوی کا ذکر کیا ہے جس کا عہد تصنیف نصرتی اور بحری سے قبل بتاتے ہیں، بہمنی سلطان محمد قطب قلی شاہ نے ہندوستانی پھلوں اور جڑیوں کو اپنی مثنوی کا موضوع بنایا ہے۔ غواصی، ابن نشاطی، تحسین الدین، فائز وغیرہ نے بہمنی دور میں مختلف قصوں کی بنیاد پر مثنویاں لکھیں۔

ولی دکنی بحیثیت غزل گو شاعر ایک اہم مقام کے حامل ہیں لیکن اردو مثنوی کی تاریخ میں بھی ان کا ایک تاریخی

مقام ہے۔انہوں نے واقعات کربلا کو نظم کرتے ہوئے ''روضۃ الشہدا'' نام کی ایک مثنوی تصنیف کی اس مثنوی کی زبان پچھلی مثنویوں کے مقابلے میں زیادہ صاف اور بہتر ہے۔فضلی نے اس مثنوی کو نثر کا جامہ پہنایا جو ''وہ مجلس'' کے نام سے مشہور و مقبول ہے۔ولی کے بعد اردو مثنوی کی تاریخ میں اورنگ آباد ہی کے ایک شاعر سراج کا نام آتا ہے جنہوں نے ایک طویل مثنوی ''بوستان خیال'' تصنیف کی۔یہ مثنوی اپنی مثال واہمیت آپ رکھتی ہے۔

Dr. H M Imran

Assistant Professor

Deptt. of urdu, S S C ollege, Jehanabad

imran305@gmail.com